اس باب میں

اس آخری باب میں ہم پچھلے بیس سال کی ہندوستانی سیاست کا الگ الگ حصوں میں جائزہ لیں گے۔ یہ واقعات خاصے پیچیدہ ہیں۔ اس لیے کہ بہت مختلف قسم کے عناصر ایک ساتھ جمع ہو گئے جس کی وجہ سے اس زمانے میں غیر متوقع نتائج سامنے آئے۔ نئے زمانے کی سیاست کے لیے کوئی پیش گوئی کرنا ناممکن نہیں تھا۔ اس کو سمجھنا اب بھی مشکل ہے۔ یہ واقعات متنازعہ بھی ہیں۔ ان میں بہت ہی گہرے آپسی جھگڑے بھی شامل ہیں اور ابھی ہم ان واقعات کے بہت نزدیک ہیں۔ پھر بھی ہم اس زمانے کی سیاست کے بارے میں کچھ بنیادی سوالات اٹھا سکتے ہیں۔

- ہماری جمہوریت میں گٹھ بندھن کی سیاست کے ابھرنے سے کیا اثرات ظاہر ہو سکتے ہیں؟
- منڈلائزیشن آخر کس بارے میں ہے؟ یہ سیاسی نمائندگی میں کیا تبدیلیاں لا سکتا ہے؟
- سیاسی سرگرمیوں کی نوعیت میں رام جنم بھومی تحریک اور ایودھیا میں انہدامی کارروائی اپنے پیچھے کیا چھوڑ کر جائیں گی؟
- پالیسی کے معاملہ میں نئے اتفاق رائے کا ظہور سیاسی پسندیدگیوں کی نوعیت پر کیا اثر چھوڑے گا؟

اس باب میں ان سوالوں کے جواب نہیں دیے گئے ہیں۔ یہ باب آپ کو صرف ضروری معلومات اور ذرائع فراہم کرتا ہے تاکہ جب آپ کتاب ختم کر لیں تو آپ خود ان سوالوں کے جواب دے سکیں۔ ہم ان سوالوں کو پوچھنے سے محض اس لیے گریز نہیں کر سکتے کہ یہ سیاسی طور سے حسّاس ہیں کیوں کہ آزادی کے بعد سے ہندوستانی سیاست کی تاریخ کے مطالعے کا سارا مقصد یہی ہے کہ ہم اپنے حال کو بامعنی طور پر سمجھ سکیں۔

1990 کے عشرے میں مختلف سیاسی جماعتوں کے اتار چڑھاؤ ایک پھسل منڈہ کی سواری کی طرح لگتے تھے، جیسا کہ 1990 میں بنائے گئے اس کارٹون میں دکھایا گیا ہے۔ پھسل منڈہ سواری کرتے ہوئے راجیو گاندھی، وی۔ پی۔ سنگھ، ایل۔ کے۔ اڈوانی، چندر شیکھر، جیوتی باسو، این۔ ٹی۔ راما راؤ، دیوی لال، پی۔ کے مہنتا اور کے۔ کرونا ندھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

باب 9

5281CH09

ہندوستانی سیاست میں رونما حالیہ واقعات

1990 کی دہائی کا پس منظر

پچھلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد راجیو گاندھی وزیراعظم بنے۔ اس کے فوراً بعد 1984 کے عام انتخابات میں ان کی زیر قیادت کانگریس کو ایک زبردست فتح حاصل ہوئی۔ 1980 کی دہائی کے آخری دنوں میں پانچ ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے ہمارے ملک کی سیاست پر بڑے دیرپا اثرات چھوڑے۔

اس دہائی کا سب سے اہم واقعہ 1989 میں منعقدہ عام انتخابات میں کانگریس پارٹی کی شکست تھی۔ جس پارٹی نے 1984 کے انتخابات میں 415 سیٹیں حاصل کی تھیں، اس بار صرف 197 سیٹوں پر ہی کامیابی حاصل کر سکی۔ اگرچہ کانگریس جلد ہی سنبھل گئی اور 1991 میں منعقدہ وسط مدتی انتخابات میں پھر اقتدار میں واپس آگئی لیکن 1989 کے انتخابات سے وہ جادو ختم ہو گیا جس کو سیاسی پنڈتوں نے 'کانگریس سسٹم' کا نام دیا تھا۔ حقیقتاً کانگریس ایک اہم پارٹی کی حیثیت سے باقی رہی اور 1989 کے بعد کسی اور پارٹی کے مقابلہ میں زیادہ عرصہ تک اقتدار پر قابض رہی لیکن پارٹی سسٹم میں جو مرکزی مقام اسے پہلے حاصل تھا اس کو کھو بیٹھی۔

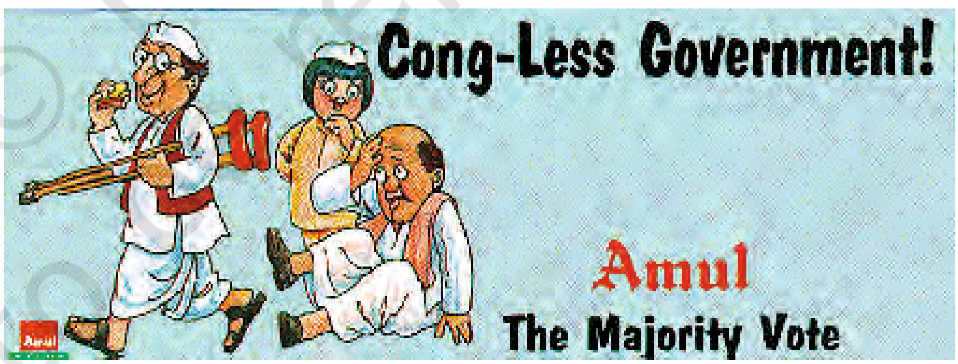

کانگریسی لیڈر سیتا رام کیسری نے دیوگوڑا کی یونائیٹیڈ فرنٹ حکومت سے اپنی حمایت ختم کر دی۔

دوسرا اہم واقعہ قومی سیاست میں منڈل مسئلہ کا ظہور تھا۔ 1990 میں نیشنل فرنٹ کی حکومت نے فیصلہ کیا کہ مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں، دیگر پس ماندہ طبقے (OBC) کے لیے منڈل کمیشن کی سفارشات کو نافذ کیا جائے۔ اس سے ملک کے مختلف مقامات پر منڈل مخالف احتجاج و مظاہرے ہوئے جو پُرتشدد بھی تھے۔ دیگر پس ماندہ طبقے (OBC) کے ریزرویشن کے حامیوں اور مخالفین کے درمیان یہ تنازعہ 'منڈل مسئلہ' کے نام سے مشہور ہوا اور 1989 کے بعد کی سیاست کی صورت گری میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔

© NCERT not to be republished

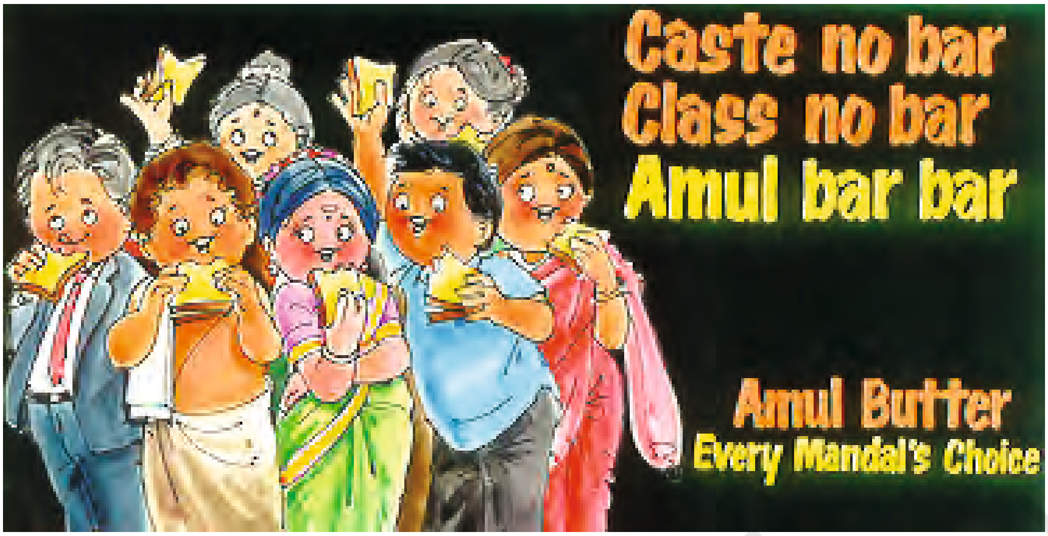

منڈلائزیشن کا ردِ عمل

تیسرا اہم واقعہ یہ تھا کہ اب تک کی تمام حکومتوں کی اختیار کردہ معاشی پالیسی نے ایک بالکل نیا رخ لے لیا۔ اس کو اسٹرکچرل ایڈجسٹ منٹ پروگرام (SAP) کی ابتدا یا نئی معاشی اصلاحات کہا جا سکتا ہے۔ راجیو گاندھی کے ذریعہ لائی گئی یہ تبدیلیاں 1991 میں کافی نمایاں ہوگئیں اور انھوں نے آزادی کے بعد سے ہندوستان کی اختیار کی ہوئی معاشی پالیسی کا رخ بنیادی طور سے موڑ دیا۔ متعدد تحریکوں اور تنظیموں نے ان پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کی لیکن اس درمیان جو بھی حکومتیں اقتدار میں رہیں انھوں نے بھی ان پالیسیوں کو جاری رکھا۔

تصویر: آر کے لکشمن ٹائمز آف انڈیا کے لیے

وزیر اعظم نرسمہا راؤ کے ساتھ اس وقت کے وزیر خزانہ من موہن سنگھ، جدید معاشی پالیسی کے ابتدائی دور میں۔

چوتھا یہ ہے کہ دسمبر 1992 میں ایودھیا میں متنازعے ڈھانچے (جو بابری مسجد کے نام سے مشہور ہے) کو منہدم کیے جانے کے بعد متعدد واقعات نقطۂ عروج پر پہنچے۔ یہ واقعہ ملک میں بہت سی سیاسی تبدیلیوں کی علامت بھی بنا اور سبب بھی، اور اس نے ملک میں ہندوستانی قومیت اور سیکولرزم پر بحث کو اور تیز کر دیا۔ ان واقعات کا تعلق بی۔ جے۔ پی اور ہندوتو کی سیاست کے عروج سے ہے۔

ابھرتی ہوئی فرقہ داریت کے خلاف ردِّعمل

آخر میں مئی 1991 میں راجیو گاندھی کے قتل کے بعد کانگریس پارٹی کی قیادت میں تبدیلی آ گئی۔ ان کو ایل ٹی ٹی ای LTTE سے وابستہ ایک سری لنکائی تمل نے اس وقت ہلاک کر دیا جب وہ تمل ناڈو کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں دورہ کر رہے تھے۔ 1991 کے الیکشن میں کانگریس سب سے بڑی اکیلی جماعت کی صورت میں ابھری۔ راجیو گاندھی کی موت کے بعد پارٹی نے نرسمہا راؤ کو وزیر اعظم منتخب کیا۔

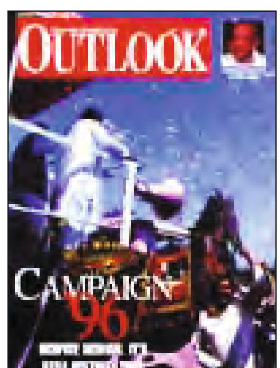

یکم مئی 1996

20 اگست 2001

25 اکتوبر 1995

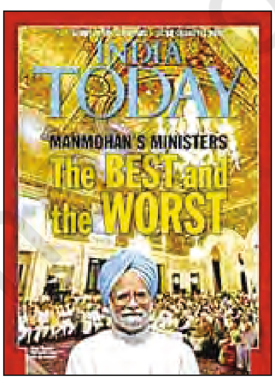

25 اکتوبر 2004

کانگریس کی قیادت کئی بار سرخیوں میں آئی۔

© NCERT not to be republished

گٹھ بندھن کا دور

1989 کے الیکشن میں کانگریس کو شکست تو ہوئی لیکن کوئی دوسری پارٹی بھی اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے سامنے نہیں آسکیں۔ اگر چہ کانگریس لوک سبھا میں سب سے بڑی پارٹی تھی لیکن چوں کہ اس کے پاس اکثریت نہیں تھی اس لیے اپوزیشن میں بیٹھنے کا فیصلے کیا۔ نیشنل فرنٹ کو (جو جنتا دل اور دوسری علاقائی پارٹیوں کا مجموعہ تھا) کو دو بالکل ہی مخالف اور متضاد سیاسی گروپ یعنی بی۔جے۔پی اور بائیں بازو کی حمایت حاصل ہوگئی۔ اس بنیاد پر نیشنل فرنٹ نے ایک گٹھ بندھن کی حکومت قائم کر لی لیکن بی۔جے۔پی اور بائیں بازو کی جماعتیں حکومت میں شامل نہیں ہوئیں۔

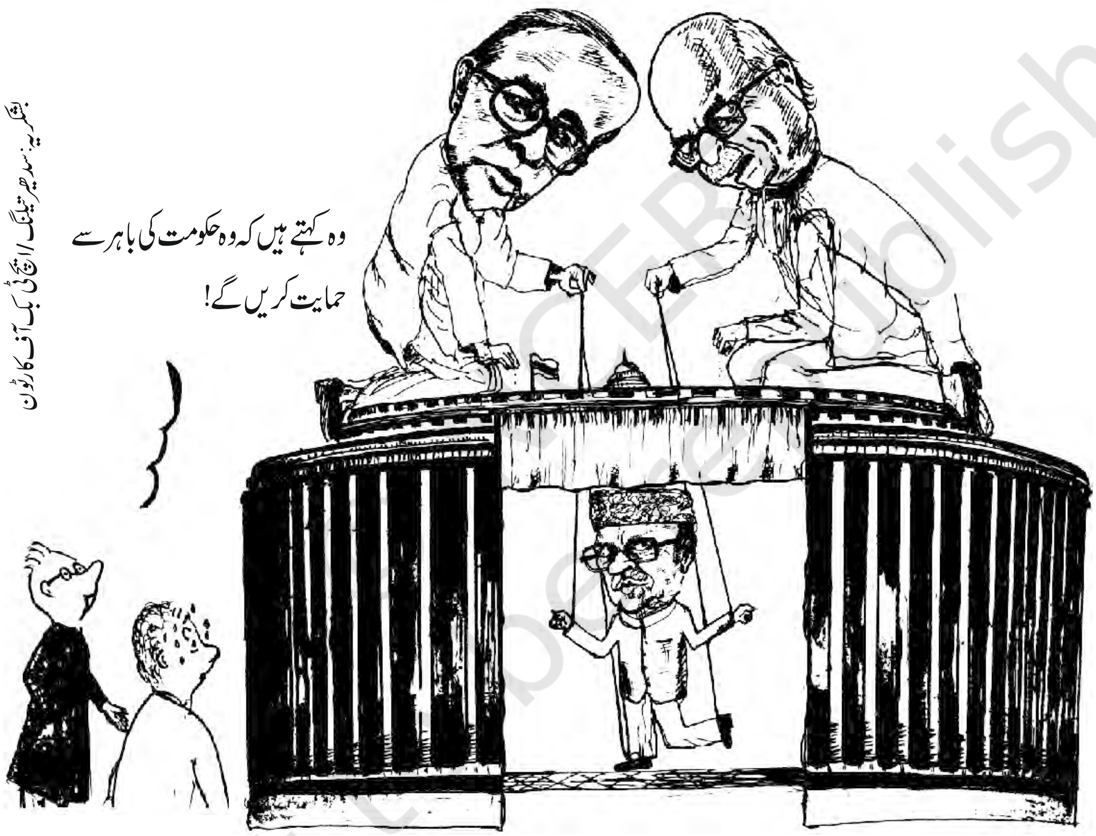

بشکریہ: سدھیر تیلنگ / ایچ ٹی بک آف کارٹون

وی۔پی سنگھ کی قیادت میں نیشنل فرنٹ کی حکومت کو بائیں بازو اور بی جے پی کی حمایت حاصل ہوگئی (کارٹون میں جیوتی باسو کو بائیں بازوں کی جماعت اور اڈوانی کو بی جے پی کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے)

کانگریس کا زوال

کانگریس پارٹی کی شکست نے ہندوستانی پارٹی نظام میں اس کی بالادستی کا خاتمہ کر دیا۔ کیا آپ کو پانچویں باب میں کانگریس سسٹم کی واپسی پر گفتگو یاد ہے؟ ساٹھ کی دہائی کے آخر میں کانگریس پارٹی کی بالادستی کو چیلنج کیا گیا تھا لیکن اندرا گاندھی کی قیادت میں کانگریس کسی نہ کسی طرح سیاست میں اپنا غلبہ قائم رکھنے میں کامیاب رہی۔ نوّے کی دہائی میں کانگریس کو پھر ایک بار اسی چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن کوئی بھی اکیلی پارٹی کانگریس کی خالی کی ہوئی جگہ پُر نہ کر سکی۔

not to be republished

اس طرح سے ایک کثیر جماعتی سسٹم کا دَور شروع ہوا۔ حقیقتاً ہمارے ملک میں ہمیشہ پارٹیوں کی ایک بھاری تعداد نے انتخابات میں حصہ لیا ہے۔ اور ہماری پارلیمنٹ میں ہمیشہ مختلف پارٹیوں کے نمائندے موجود رہے ہیں۔ 1989 کے بعد کئی پارٹیوں کا ظہور اس صورت میں ہوا کہ صرف ایک یا دو پارٹیاں ہی زیادہ تر ووٹ یا سیٹیں حاصل نہ کر سکیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ 1989 کے بعد سے 2014 تک کسی بھی لوک سبھا انتخابات میں کوئی اکیلی پارٹی اکثریت حاصل نہیں کر سکی ہے۔ ان واقعات نے مرکز میں مخلوط گٹھ بندھن کی حکومتوں کا سلسلہ شروع کیا جس میں حکمراں اتحاد کو بنانے میں علاقائی پارٹیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ 2014 اور 2019 کے لوک سبھا انتخابات میں دوبارہ بی جے پی جماعت کو اکیلے ہی اکثریت حاصل ہوئی ہے۔

آیئے تحقیق کریں

اپنے والدین سے 1990 کی دہائی کی یادوں کے بارے میں بات جیت کیجیے۔ ان سے پوچھیے کہ ان کے خیال میں اس زمانے کے اہم واقعات کیا تھے۔ ساتھ میں بیٹھ کر اپنے والدین کے بتائے ہوئے واقعات کی ایک مکمل فہرست بنائیے۔ دیکھیے کہ ان میں سے کون سا واقعہ کئی بار گنایا گیا ہے اور پھر ان کا موازنہ ان واقعات سے کیجیے جن کو اس باب میں اہم بتایا گیا ہے۔ آپ یہ بحث بھی کر سکتے ہیں کہ کچھ لوگوں کے لیے کئی واقعات اہم ہیں جب کہ دوسروں کے لیے نہیں۔

گٹھ بندھن کی سیاست

1990 کی دہائی میں دلت اور دیگر پس ماندہ طبقے (OBC) کی نمائندگی کرنے والی بڑی اور طاقت ور تحریکیں اور پارٹیاں ابھر کر سامنے آئیں۔ ان میں سے اکثر پارٹیاں علاقائی دعوے داری کی بھی نمائندہ تھیں۔ ان پارٹیوں نے 1996 میں یونائیٹڈ فرنٹ کی حکومت کو برسر اقتدار لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یونائیٹڈ فرنٹ بھی 1989 کے نیشنل فرنٹ ہی کی طرح تھی کیوں کہ اس میں بھی جنتا دل اور دوسری علاقائی پارٹیاں شامل تھیں۔ اس بار بی جے پی (BJP) نے حکومت کا ساتھ نہیں دیا۔ یونائیٹڈ فرنٹ کی حکومت کو کانگریس کی حمایت حاصل تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی رفاقتیں کتنی ناپائیدار تھیں۔ 1989 میں بی۔ جے۔ پی اور بائیں بازو دونوں نے نیشنل فرنٹ کی حکومت کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ وہ کانگریس کو اقتدار سے باہر رکھنا چاہتی تھیں۔ 1996 میں بائیں بازو نے غیر کانگریس حکومت کا ساتھ برقرار رکھا لیکن اس مرتبہ کانگریس نے بھی اس کا ساتھ دیا کیوں کہ کانگریس اور بائیں بازو والے دونوں ہی بھاجپا کو یعنی بی۔ جے۔ پی کو اقتدار میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

لیکن یہ زیادہ دیر تک کامیاب نہیں رہ سکے کیوں کہ 1991 اور 1996 کے انتخابات میں بی۔ جے۔ پی نے اپنی پوزیشن کو مزید مستحکم کر لیا۔ 1996 کے انتخابات میں یہ سب سے بڑی اکیلی پارٹی کی صورت میں ابھری اور اس کو حکومت بنانے کے لیے دعوت دی گئی۔ لیکن چوں کہ زیادہ تر پارٹیاں اس کی پالیسیوں سے متفق نہیں تھیں لہٰذا بی۔ جے۔ پی کو

© NCERT not to be republished

پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل نہیں ہوسکی۔آخرکار مئی 1998 سے جون 1999 تک گٹھ بندھن کے لیڈر کی حیثیت سے حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی اور 1999 کے انتخابات میں دوبارہ منتخب ہوئی۔دونوں بار اٹل بہاری باجپئی این ڈی اے (NDA) حکومت کے وزیر اعظم تھے اور 1999 میں قائم شدہ حکومت نے اپنی مدت پوری کی۔

1999

شاندار ماضی کی یاد: ''زیادہ دور کی بات نہیں ہے ایک زمانہ تھا جب سیاسی زندگی کانگریس سے شروع ہوکر کانگریس پر ختم ہوجاتی تھی۔''

ایک پارٹی کی بالادستی سے کثیر جماعتی اتحاد کے سسٹم کی تبدیلی پر ایک کارٹونسٹ کی تصویرکشی۔

اس طرح سے 1989 کے انتخابات کے بعد ہندوستانی سیاست میں گٹھ بندھن کا ایک طویل دور شروع ہوا۔ جب سے اب تک مرکز میں گیارہ حکومتیں رہ چکی ہیں۔ان میں سے سب یا تو گٹھ بندھن کی حکومتیں تھیں یا اقلیتی پارٹی کی حکومتیں تھیں جن کو دوسری پارٹیوں کی حمایت تو حاصل تھی لیکن انھوں نے حکومت میں حصہ نہیں لیا۔اس نئے دور میں کئی علاقائی پارٹیوں کی مدد یا شرکت سے کوئی بھی حکومت بنائی جاسکتی تھی۔اور یہ بات 1989 میں نیشنل فرنٹ، 1996 اور 1997 میں یونائیٹڈ فرنٹ، 1997 میں این ڈی اے، 1998 میں بی جے پی کی قیادت والا گٹھ بندھن، 1999 میں این ڈی اے 2004 اور 2009 میں یوپی اے پر لاگو ہوتی ہے۔اگرچہ 2014 میں اس رجحان میں تبدیلی واقع ہوئی۔

اب تک ہم نے جو مطالعہ کیا ہے آیئے ان واقعات کو جوڑ کر دیکھیں۔گٹھ بندھن کی حکومتوں کا زمانہ ایک طویل مدتی رجحان کی طرح جانچا جاسکتا ہے یہ ان خاموش تبدیلیوں کا نتیجہ تھا جو پچھلی کئی دہائیوں سے ظاہر ہورہی تھیں۔

ہم نے دوسرے باب میں دیکھا کہ ابتدا میں کانگریس خود مختلف نظریات اور طرز فکر رکھنے والے گروپوں کا مجموعہ تھی۔اسی خصوصیت نے 'کانگریس سسٹم' کی اصطلاح ایجاد کی۔

© NCERT not to be republished

1989 کے بعد سے مرکزی حکومتیں

وی۔پی۔سنگھ

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
دسمبر 1989 – نومبر 1990	نیشنل فرنٹ، بائیں بازو اور بی جے پی کی حمایت

چندر شیکھر

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
نومبر 1990 – جون 1991	نیشنل فرنٹ کا ایک سیکشن، سماج وادی جنتا پارٹی کی قیادت میں؛ کانگریس کی حمایت

نرسمہا راؤ

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
جون 1991 – مئی 1996	کانگریس اے آئی اے ڈی ایم کے (AIADMK) کچھ چھوٹی پارٹیوں کی حمایت

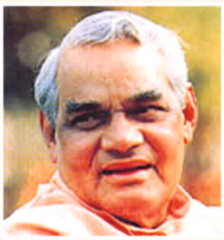

اٹل بہاری باجپئی

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
مئی 1996 – جون 1996	BJP کی اقلیتی حکومت

ایچ۔ڈی۔دیوے گوڑا

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
جون 1996 – اپریل 1997	یونائیٹڈ فرنٹ، کانگریس کی حمایت

آئی۔کے۔گجرال

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
اپریل 1997 – مارچ 1998	یونائیٹڈ فرنٹ، کانگریس کی حمایت

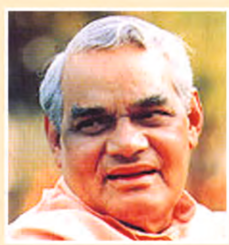

اٹل بہاری باجپئی

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
مارچ 1998 - اکتوبر 1999، اکتوبر 1999 - مئی 2004	نیشنل ڈیموکریٹک الائنس (NDA) بی جے پی کی قیادت میں

منموہن سنگھ

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
مئی 2004 سے مئی 2014	یونائیٹڈ پروگریسیو الائنس (UPA) (متحدہ ترقی پسند محاذ)

نریندر مودی

زمانہ	گٹھ بندھن یا مخلوط حکومت میں شریک پارٹیاں
مئی 2014 سے آگے	نیشنل ڈیموکریٹک الائنس (NDA) بی جے پی کی قیادت میں

موجودہ اور سابق وزرائے اعظم کے بارے میں تفصیل سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ویب سائٹ http://pmindia.gov.in/en دیکھیے۔

نوٹ : خالی جگہوں کو اس لیے چھوڑا گیا ہے کہ آپ کسی حکومت کی پالیسیوں، کارکردگیوں اور تنازعوں کے بارے میں مزید اطلاعات ریکارڈ کر سکیں۔

© NCERT not to be republished

پانچویں باب میں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مختلف طرز فکر کے گروپ کانگریس چھوڑ کر اپنی علاحدہ پارٹی بنانے لگے۔1977 کے بعد کئی علاقائی پارٹیوں کا عروج ہوا۔ اگرچہ اس طرح سے کانگریس پارٹی کمزور تو ضرور ہوئی لیکن کوئی بھی اکیلی پارٹی مکمل طور سے اس کی جانشین نہ ہوسکی۔

دیگر پس ماندہ طبقوں (OBC) کا سیاسی عروج

اس زمانے کی ایک طویل مدتی سرگرمی دیگر پس ماندہ طبقوں (OBC) کا سیاسی طاقت کی حیثیت سے ابھرنا تھا۔ آپ دیگر پس ماندہ طبقوں کی اصطلاح سے پہلے ہی واقف ہو چکے ہیں۔ یہ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبیلوں سے الگ وہ ذاتیں ہیں جو سماجی اور تعلیمی طور سے پس ماندہ ہیں۔ ان کو بھی 'پس ماندہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہم نے چھٹے باب میں پڑھا ہے کہ پس ماندہ ذاتوں کے بہت سے طبقوں نے کانگریس کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ اس صورت حال نے غیر کانگریسی پارٹیوں کے لیے جگہ پیدا کردی اور ان کو یہاں سے کافی مدد ملی۔ آپ یاد کیجیے کہ ان پارٹیوں کا سیاسی ظہور 1977 میں جنتا پارٹی حکومت کی صورت میں ہوا۔ جنتا پارٹی کے اکثر اجزا کو جیسے بھارتیہ کرانتی دل اور سَمیُکت سوشلسٹ پارٹی کو دیہی علاقوں کے دیگر پس ماندہ طبقوں کی خاصی حمایت حاصل تھی۔

'منڈل' کا نفاذ

1980 کی دہائی میں جنتا دل نے ایسے سیاسی گروپوں کو باہم جمع کیا جن کو دیگر پس ماندہ طبقوں کی مضبوط حمایت حاصل تھی۔ نیشنل فرنٹ حکومت کا یہ فیصلہ کہ وہ منڈل کمیشن کی سفارشات کو لاگو کرے گی دیگر پس ماندہ طبقوں کی سیاست کی

© NCERT not to be republished

صورت گری میں اور مددگار ثابت ہوا۔ روزگار میں ریزرویشن کی مخالفت اور موافقت میں جو ملک گیر زبردست بحث ہوئی اس نے دیگر پس ماندہ طبقوں کے لوگوں کو اپنی اس شناخت سے اور زیادہ باشعور کر دیا۔ اس سے ان لوگوں کو بڑی مدد ملی جو سیاسی طور سے ان کو سرگرم دیکھنا چاہتے تھے۔ اس زمانے میں ایسی کئی پارٹیاں ابھریں جنھوں نے دیگر پس ماندہ طبقوں کے لیے نہ صرف تعلیم اور روزگار میں بہتر مواقع تلاش کیے بلکہ اقتدار میں ان کی شرکت اور حصے کے بارے میں بھی سوال اٹھائے ۔ ان کی دلیل تھی کہ دیگر پس ماندہ طبقے اس ملک کے سماج کا ایک بڑا حصہ ہیں لہٰذا جمہوری طور سے ان کو انتظامیہ میں مناسب نمائندگی ملنی چاہیے اور اقتدار میں ان کا جائز حق بھی۔

منڈل کمیشن کی رپورٹ کے نفاذ نے احتجاج اور سیاسی مظاہروں کو ہوا دی۔

منڈل کمیشن (The Mandal Commission)

جنوبی ریاستوں میں دیگر پس ماندہ طبقات (OBC) کے لیے روزگار کا ریزرویشن اگر پہلے نہیں تو 1960 کی دہائی میں دکنی ریاستوں میں موجود تھا۔ لیکن اس پالیسی کا نفاذ شمالی ریاستوں میں نہیں تھا۔ 79-1977 میں جنتا پارٹی کے دورِ حکومت میں شمالی ہندوستان اور قومی سطح پر پسماندہ طبقوں کے لیے روزگار کے ریزرویشن کا مسئلہ بہت زور و شور سے اٹھا۔ اس وقت کے بہار کے وزیراعلیٰ کرپوری ٹھاکر اس راہ کے اولین مسافروں میں سے تھے۔ ان کی حکومت نے بہار میں OBC کے لیے ایک نئی پالیسی کا اجرا کیا۔ اس کو دیکھتے ہوئے مرکزی حکومت نے بھی 1978 میں ایک کمیشن مقرر کیا جو پسماندہ طبقوں کی حالت کا صحیح اندازہ لگائے اور ان کی ترقی اور فروغ کے لیے سفارشات دے سرکاری طور پر اس کا نام دوسرا پسماندہ طبقاتی کمیشن (Second Backward Classes Commission) تھا۔ لیکن عام طور سے اس کمیشن کو اس کے صدر بندیشوری پرشاد منڈل کے نام سے یعنی منڈل کمیشن کے نام سے جانا جاتا ہے۔

منڈل کمیشن کے قیام کا مقصد ہندوستانی سماج کے مختلف حصوں میں تعلیمی اور سماجی پسماندگی کا اندازہ لگانا اور ان طریقوں کی تلاش کرنا تھا تاکہ ان پسماندہ طبقوں کی شناخت ہو سکے۔ اس سے یہ بھی توقع تھی کہ یہ ان سفارشات کو بھی سامنے لائے گا جن کے ذریعہ اس پسماندگی کا خاتمہ ہو سکے گا۔ کمیشن نے 1980 میں اپنی سفارشات پیش کیں۔ لیکن جب تک جنتا حکومت ختم ہو چکی تھی۔ کمیشن کا کہنا تھا کہ پسماندہ طبقوں سے مراد پسماندہ ذاتیں ہی لینا چاہیے کیوں کہ شیڈول کاسٹ کے علاوہ اور بھی بہت سی ذاتیں ہیں جن سے ذات پات کے نظام میں تحقیر آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ کمیشن کی تحقیق کے مطابق یہ پسماندہ ذاتیں تعلیمی اداروں اور حکومت کے اندر روزگار میں بہت کم حصہ رکھتے تھے۔ لہٰذا کمیشن نے سفارش کی کہ حکومت کے روزگار اور تعلیمی اداروں میں ان گروپ کے لیے 27 فی صد ریزرویشن ہونا چاہیے۔ منڈل کمیشن نے OBC کی حالت سدھارنے کے لیے اور بھی کئی سفارشات کیں جیسے زمینی اصلاح وغیرہ۔

بی پی منڈل (1918-1982):
1967 سے 1970 اور 1977 سے 1979 تک بہار سے پارلیمانی رکن؛ دوسرے پس ماندہ طبقاتی کمیشن کے چیئرپرسن، جس نے دیگر پس ماندہ طبقوں کے لیے ریزرویشن کی سفارش کی؛ بہار کے ایک سماجی لیڈر؛ 1968 میں صرف ڈیڑھ ماہ کے لیے بہار کے وزیراعلیٰ؛ 1977 میں جنتا پارٹی میں شامل ہوئے۔

اگست 1990 میں نیشنل فرنٹ کی حکومت نے منڈل کمیشن کی ایک سفارش کو جو مرکزی حکومت اور اس سے متعلقہ اداروں میں OBC کے روزگار کے ریزرویشن سے متعلق تھی، لاگو کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ سے شمالی ہندوستان کے اکثر شہروں میں احتجاج اور پرتشدد مظاہروں کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس فیصلہ کو سپریم کورٹ میں بھی چیلنج کیا گیا اور اس مقدمہ کو اندرا ساہنی مقدمہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جو اس مقدمہ کی ایک مدعی تھی۔ 1992 میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے مطابق حکومت کے فیصلہ کو حق بجانب ٹھرایا۔ اس فیصلہ کے نفاذ کے طریقہ پر سیاسی پارٹیوں کے درمیان کچھ اختلاف تھا۔ لیکن اب OBC کے لیے ریزرویشن کی پالیسی کو ملک کی تمام بڑی پارٹیوں کی حمایت حاصل ہے۔

© NCERT not to be republished

سیاسی نتائج

1980 کی دہائی نے دلت سیاسی تنظیموں کا عروج بھی دیکھا۔1978 میں پس ماندہ اور اقلیتی طبقوں کے ملازمین کی فیڈریشن (Backward and Minority Commission Employees Federation) (BAMCEF) بنائی گئی، یہ تنظیم سرکاری ملازمین کی کوئی معمولی تنظیم نہیں تھی۔اس نے بہوجن، یعنی درج فہرست ذات، درج فہرست قبائل، دوسرے پس ماندہ طبقات اور اقلیتوں کی سیاسی طاقت کی حمایت میں زوردار موقف اختیار کیا۔اسی تنظیم سے 'دلت شوشت سماج سنگھرش سمیتی' نے جنم لیا اور بعد میں کانشی رام کی قیادت میں بہوجن سماج پارٹی (BSP) کا ظہور ہوا۔بہوجن سماج پارٹی کی ابتدا ایک چھوٹی پارٹی کی طرح ہوئی جس کو پنجاب، ہریانہ اور اتر پردیش کے دلت ووٹروں کی حمایت حاصل تھی۔لیکن 1989 اور 1991 کے الیکشن میں اتر پردیش میں اس کی کامیابی کا دروازہ کھلا۔آزاد ہندوستان میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی سیاسی پارٹی صرف دلت رائے دہندگان کی وجہ سے اتنی بڑی سیاسی کامیابی حاصل کر سکی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ کانشی رام کی قیادت میں بی ایس پی کو ایک عملی سیاست کی تنظیم کے روپ میں دیکھا جارہا تھا۔ اس کو اس حقیقت سے اعتماد حاصل ہوا کہ بہوجن (درج فہرست ذات، درج فہرست قبائل، دیگر پس ماندہ طبقات اور مذہبی اقلیتیں) کی آبادی اکثریت میں ہے اور یہ اپنی تعداد کی بنا پر ایک نا قابلِ تسخیر سیاسی قوت کے مالک ہوں۔اس کے بعد سے بہوجن سماج پارٹی ملک میں ایک اہم سیاسی کردار نبھا رہی ہے اور ایک سے زیادہ مرتبہ حکومت میں رہی ہے۔اس کی زوردار حمایت اب بھی دلت رائے دہندگان ہی کرتے ہیں لیکن اب اس نے اپنا دائرہ کار سماج کے دوسرے گروپوں میں بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ ہندوستان کے دوسرے کئی حصوں میں دلت سیاست اور دیگر پس ماندہ طبقاتی سیاست ایک دوسرے سے الگ الگ ہو کر آگے بڑھ رہے ہیں اور اکثر ایک دوسرے کے مقابل ہو کر بھی۔

کانشی رام

(1934-2006) :

بہوجن غلبہ کے مبلغ اور بہوجن سماج پارٹی (BSP) کے بانی۔ سماجی اور سیاسی کام کے لیے مرکزی حکومت کی ملازمت کو چھوڑ دیا۔BAMCEF، DS-4 اور آخر میں 1984 میں BSP کے بانی۔ سیاسی حکمتِ عملی کے ماہر۔ ان کے خیال میں سماجی مساوات کی کنجی سیاسی اقتدار کے حصول میں ہے۔شمالی ہندوستان کی ریاستوں میں دلت بیداری کے ہیرو۔

© NCERT not to be republished

فرقہ واریت، سیکولرزم ، جمہوریت

اس زمانہ کی دوسری طویل مدتی سرگرمی مذہبی شناخت پرمبنی سیاست کا عروج تھا جس سے سیکولرزم اور جمہوریت پر بحث و مباحثہ کے دروازے کھلے۔ہم نے چھٹے باب میں مطالعہ کیا ہے کہ ایمرجنسی کے بعد بھارتیہ جن سنگھ، جنتا پارٹی میں ضم ہوگئی تھی۔1980 میں جنتا پارٹی کے زوال اور شکست وریخت کے بعد بھارتیہ جن سنگھ کے حامیوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ابتدا میں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) نے اپنا سیاسی دائرہ کار جن سنگھ سے زیادہ وسیع رکھا۔اس نے گاندھیائی سوشلزم کے نظریے کو اپنے گلے لگایا لیکن اس کو 1980 اور 1984 کے انتخابات میں کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں ملی۔1986 کے بعد پارٹی نے اپنے نظریات میں ہندو قومیت کے عنصر کو نمایاں جگہ دی۔بی جے پی نے ’ہندوتو‘ کی پالیسی اختیار کی اور ہندوؤں کو سرگرم عمل کرنے کی حکمت عملی اپنائی۔

ہندوتو کے لفظی معنی ہندوئیت کے ہیں اور اس طرز فکر کے بانی وی۔ڈی۔ساور کر نے اس کو ہندو قومیت کی بنیاد بتایا۔اس کے معنی ہیں کہ ہندوستانی قوم کا فرد ہونے کے لیے ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہندوستان کو نہ صرف مادر وطن سمجھے بلکہ اس کو مقدس بھی خیال کرے۔’ہندوتو‘ پر یقین رکھنے والوں کی دلیل ہے کہ ایک طاقت ور قوم کی بنیاد ایک مضبوط اور متحدہ قومی تہذیب یا ثقافت ہی ہو سکتی ہے۔ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ صرف ہندو کلچر ہی یہ بنیاد فراہم کر سکتا ہے۔

1986 کے قریب رونما ہونے والے دو واقعات نے بی جے پی کو ’ہندوتو‘ پارٹی کا رنگ اختیار کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔پہلا 1985 میں شاہ بانو کا معاملہ تھا۔اس معاملہ میں ایک 62 سالہ طلاق شدہ مسلمان عورت نے اپنے نان ونفقہ کے لیے سابق شوہر پر مقدمہ درج کیا تھا۔سپریم کورٹ نے اس خاتون کے حق میں فیصلہ دیا۔قدامت پرست مسلمانوں نے اس فیصلے کو مسلم پرسنل لا (Muslim Personal Law) میں دخل اندازی سمجھا۔کچھ مسلمان لیڈروں کے مطالبے پر حکومت نے مسلم عورتوں کے (طلاق کے حقوق کے تحفظ کے) ایکٹ 1986 (Muslim Women (Protection of Rights on Divorce) Act 1986) پاس کر دیا جس کے نفاذ سے سپریم کورٹ کا فیصلہ کالعدم ہوگیا۔حکومت کے اس اقدام کی عورتوں کی بیشتر تنظیموں نے مخالفت کی، ان کے ساتھ کئی مسلمان گروپ اور دانشور بھی شامل تھے۔بی جے پی نے حکومت کے اس اقدام پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے اس کو غیر ضروری اور اقلیتوں کو خوش کرنے کی ایک سازش قرار دیا۔

ایودھیا تنازعہ

دوسرا واقعہ فروری 1986 میں فیض آباد ضلع عدالت کا دیا ہوا فیصلہ تھا۔عدالت نے حکم دیا کہ بابری مسجد کے احاطے کے تالے کو کھول دیا جائے تا کہ ہندو وہاں پر عبادت کر سکیں کیوں کہ وہ اس کو ایک مندر سمجھتے ہیں۔ایودھیا میں واقع بابری مسجد پر تنازعہ کئی دہائیوں سے چلا آ رہا تھا۔بابری مسجد ایودھیا میں سولھویں صدی کی ایک مسجد تھی جس کو مغل بادشاہ بابر کے ایک

سپہ سالار میر باقی نے تعمیر کرایا تھا۔ کچھ ہندو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کی تعمیر ایک مندر کو گرا کر ہوئی تھی جہاں ان کے بھگوان رام کی جائے پیدائش تھی۔ اس تنازعہ نے ایک عدالتی مقدمہ کی شکل اختیار کر لی جو کئی دہائیوں سے جاری ہے۔ 1940 کی دہائی میں مسجد پر اس لیے تالا لگا دیا گیا تھا کیوں کہ معاملہ عدالت میں زیر غور تھا۔

جیوں ہی بابری مسجد کے دروازے کھلے دونوں ہی جانب سرگرمیاں تیز ہو گئیں اور کئی ہندو اور مسلمان تنظیمیں اپنی اپنی قوموں کو اس مسئلے پر اکسانے میں لگ گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس مقامی تنازعہ نے ایک بڑے قومی مسئلے کی صورت اختیار کر لی اور اس طرح یہ فرقہ وارانہ تنازعہ کا سبب بن گیا۔ بی جے پی نے اس کو سیاسی رنگ دیا اور اپنے الیکشن کا خاص مدّعا بنایا۔ آر ایس ایس (RSS) اور وشو ہندو پریشد (VHP) کے ساتھ کئی علامتی اور سرگرم عمل کرنے والے پروگرام بنائے۔ ان پروگراموں کے بڑے پیمانے پر جاری ہونے سے ماحول میں کافی گرمی پیدا ہو گئی اور فرقہ وارانہ تشدد کے کئی واقعات پیش آئے۔ عوام کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے BJP نے سومناتھ (گجرات) سے لے کر ایودھیا (اتر پردیش) تک ایک زبردست ریلی نکالی جس کو 'رتھ یاترا' کا نام دیا۔

انہدام اور اس کے بعد

مندر کی تعمیر کی حمایت کرنے والی تنظیموں نے دسمبر 1992 میں 'کارسیوا' کا آغاز کیا۔ اس کا مطلب عقیدت مندوں کے لیے رضاکارانہ طور پر رام مندر کی تعمیر میں حصہ لینا تھا۔ پورا ملک اور خاص طور سے ایودھیا تناؤ سے بھرا ہوا تھا۔ سپریم کورٹ

نے ریاستی حکومت کو حکم دیا کہ کسی بھی صورت میں متنازعہ عمارت کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دے۔ لیکن تمام ملک سے ہزاروں لوگ ایودھیا میں جمع ہو گئے اور 6 دسمبر 1992 کو بابری مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ اس کی وجہ سے ملک کے کئی حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ ممبئی میں جنوری 1993 میں تشدد دوبارہ پھوٹ پڑا جو تقریباً دو ہفتہ سے زیادہ جاری رہا۔

ایودھیا میں جو سانحہ ہوا اس سے کچھ اور واقعات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مرکزی حکومت نے بی جے پی کی زیر قیادت ریاستی حکومت کو برخاست کر دیا۔ اس کے علاوہ ان ریاستوں میں بھی جہاں بی جے پی حکومت تھی صدر راج نافذ کر دیا گیا۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ سپریم کورٹ میں درج کرایا گیا کیوں کہ انھوں نے عدالت میں حلف نامہ داخل کیا تھا کہ متنازعہ ڈھانچے کی حفاظت کی جائے گی۔ بی جے پی نے سرکاری طور پر ایودھیا میں رونما ہونے والے واقعات پر افسوس کا اظہار کیا۔ مرکزی حکومت نے ایک کمیشن ان اسباب اور حالات کی تحقیق کے لیے بٹھایا جو مسجد کے انہدام کا باعث ہوئے۔ زیادہ تر پارٹیوں نے انہدام کی مذمت کی اور کہا کہ یہ سیکولرزم کے اصولوں کے خلاف ہے۔ یہیں سے سیکولرزم پر ایک سنجیدہ بحث کا آغاز ہوا اور وہ سوال پھر سامنے آ گئے جن سے بٹوارے کے فوراً بعد ہمارے ملک کا سامنا ہوا تھا۔ یعنی کیا ہندوستان ایسا ملک ہونے جا رہا ہے جہاں پر مذہبی کمیونٹی کی اکثریت اقلیتوں پر حاوی رہے گی؟ یا یہ کہ ہندوستان تمام ہندوستانیوں کو مساوی شہری حقوق اور مساوی تحفظ، بغیر امتیاز کے فراہم کرتا رہے گا؟

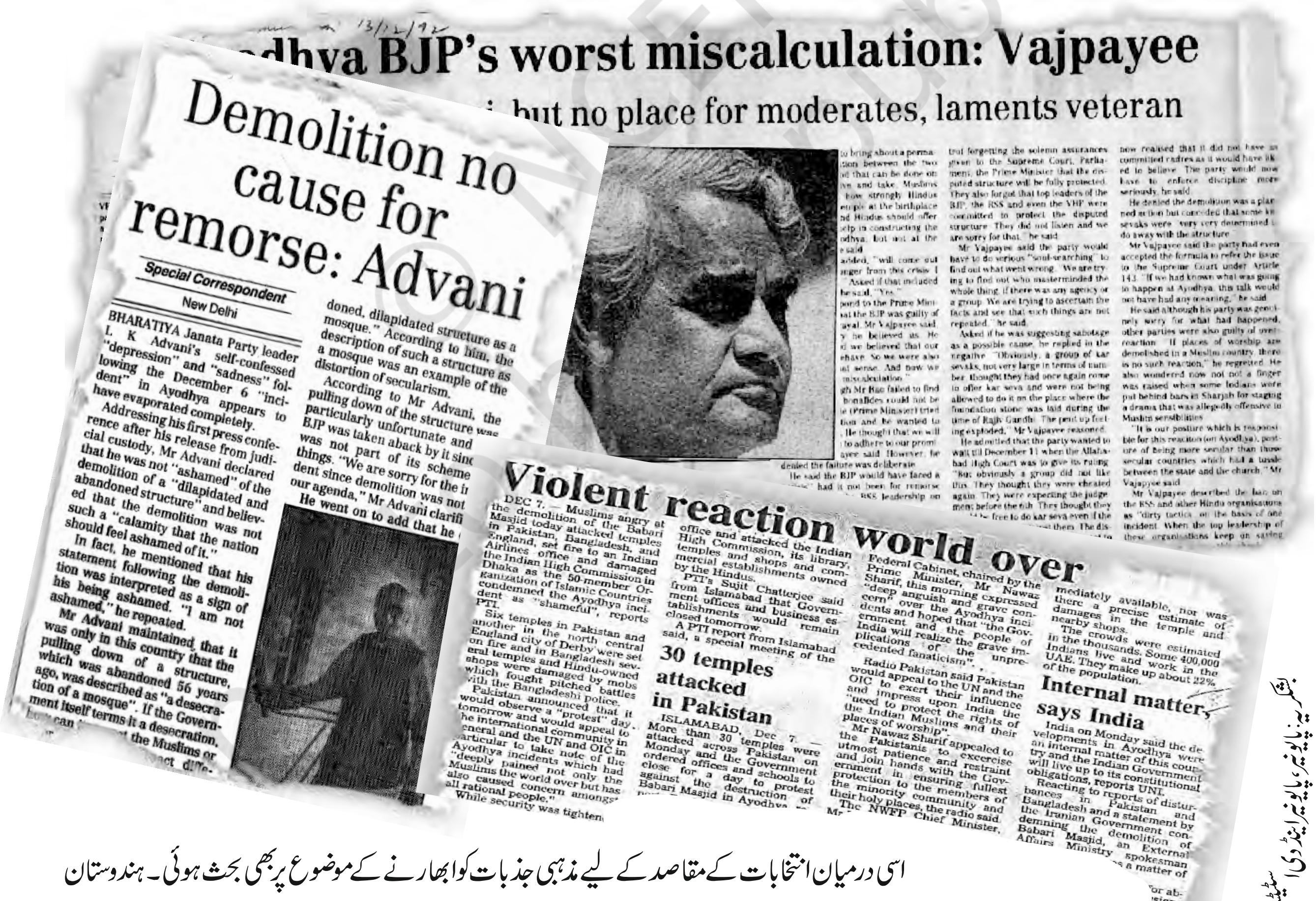

بشکریہ: پایونیر، پایونیر اینڈ دی اسٹیٹسمین

اسی درمیان انتخابات کے مقاصد کے لیے مذہبی جذبات کو ابھارنے کے موضوع پر بھی بحث ہوئی۔ ہندوستان کی جمہوری سیاست اپنی بنیادوں پر قائم ہے کہ مذہبی جماعتوں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ کسی بھی پارٹی کو جوائن کر لیں

۔ مذہبی بنیادوں پر سیاسی پارٹیاں نہیں قائم ہوسکتیں۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے جمہوری ماحول کو1984 سے کئی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور جیسا کہ ہم آٹھویں باب میں دیکھ چکے ہیں یہ 1984 میں سکھ فسادات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ فروری تا مارچ 2002 میں اسی طرح کے فسادات مسلمانوں کے خلاف گجرات میں ہوئے۔ اقلیتوں کے خلاف اس قسم کا تشدد یا کسی بھی دو فرقوں کا آپس میں تشدد، جمہوریت کے لیے خطرہ ہے۔

یہ مقدمات ان تباہ کن واقعات کے سلسلے کی باز گشت ہیں جن کا خاتمہ 6 دسمبر 1992 کو ایودھیا میں ’رام جنم بھومی۔ بابری مسجد‘ کے متنازعہ ڈھانچہ کے انہدام پر ہوا۔ ہزاروں معصوم شہریوں کی جانیں گئیں اور املاک کا عظیم نقصان ہوا۔ لیکن ان سب سے بڑانقصان یہ تھا کہ اس عظیم سرزمین کے بارے میں قوت برداشت ، اعتماد اور دیس میں بسنے والی مختلف اقوام کے درمیان بھائی چارے کا جو تصور بین الاقوامی سطح پر قائم تھا پاش پاش ہو گیا۔

یہ بہت افسوس ناك بات ھے كہ ایك سیاسی جماعت كا لیڈر اور وزیر اعلیٰ توھین عدالت كے جرم كا مرتكب پایا جائے۔ لیكن قانون كی بالاتری كے لیے ایسا كرنا ضروری ھے۔ ھم اس كو توھین عدالت كا مجرم قرار دیتے ھیں۔ اورچوں كہ یہ توھین كچھ اور بڑے مسئلے بھی اٹھاتی ھے جس سے كہ ھماری قو م كی سیكولر عمارت كی بنیاد متاثر ھوتی ھے ھم اس كو ایك دن كی قید كی سزا علامتی طور سے دیتے ھیں

’رام جنم بھومی۔ بابری مسجد‘ ڈھانچہ کی حفاظت کے بارے میں قومی یکجہتی کونسل کے روبرو کیے ہوئے اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کے وعدہ کی وعدہ خلافی پر چیف جسٹس وینکٹا چلیا اور جسٹس جی۔ این۔ رے کے تاثرات

محمد اسلم بنام یونین آف انڈیا، 24 اکتوبر 1994

GUJARAT IS BURNING

Former MP's family among 70 dead

HT Correspondent
Ahmedabad, February 28

MORE THAN 70 people were killed and several injured as Gujarat reported incidents of stabbing, rioting, arson, looting and police firing on Thursday, a day after four bogies of the Sabarmati Express carrying kar sewaks from Ayodhya were set on fire in Godhra killing 58 people.

The Cabinet Committee on Security put the Army on stand-by in the riot-hit areas.

Over 26 towns statewide have been put under indefinite curfew. Vishwa Hindu Parishad (VHP) activists who had called a statewide bandh on Thursday to protest the killing of the kar sewaks, attacked several Muslim-populated areas of the state and set fire to Muslim-owned properties.

Over 50 of those killed were in Ahmedabad. And 19 of them were relatives of former Congress MP Ehsan Jaffrey, who himself was killed. They died when the building they lived in was set on fire in Meghaninagar. In an earlier incident, 17 Muslim slum-dwellers were also burned alive.

The Wakf Board offices in Gandhinagar were burned down and the Centre for Islamic Studies in Vadodara was at-

BACKLASH: A truck on fire in Ahmedabad.

ple of mosques being attacked by VHP activists. Six buses and a truck were also set on fire.

Police arrested 700 people — 80 in Godhra, including two councillors — in connection with Wednesday's attack.

Two persons died and at least six were injured when police opened fire to disperse a rampaging mob in Ahmedabad on Thursday afternoon. Gujarat Chief Minister Narendra Modi has ordered a judicial inquiry of the attack. He said those responsible for the attack on the train would be detained under POTO.

گجرات کے فسادات

فروری تا مارچ 2002 میں گجرات میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے ۔ اس تشدد کا فوری سبب وہ اشتعال انگیزی تھی جو ایک حادثے کے طور پر گودھرا اسٹیشن سے شروع ہوئی۔

ٹرین کا ایک ڈبا جو کارسیوکوں سے بھرا ہوا تھا اور ایودھیا سے واپس آ رہا تھا، جلا دیا گیا۔ اس آگ میں ستاون لوگ ہلاک ہوگئے ۔ شبہ یہ تھا کہ اس آتش زنی میں مسلمانوں کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا دوسرے دن ہی سے گجرات کے کئی علاقوں میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے خلاف فسادات شروع ہوگئے ۔ اور یہ سلسلہ تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہا۔ اس تشدد میں تقریباً گیارہ سولوگ مارے گئے جن میں زیادہ تر مسلمان تھے۔ حقوق انسانی کمیشن نے گجرات حکومت کی تشدد پر قابو پانے ، متاثرین تک راحت کا سامان پہنچانے اور ذمہ داروں پر مقدمہ چلانے کی ناکامیابی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ الیکشن کمیشن آف انڈیا نے اسمبلی الیکشن کو ملتوی کر دیا۔ جیسا کہ 1984 میں سکھ مخالف فسادات میں ہوا، گجرات کے فسادات میں بھی یہ دیکھا گیا کہ حکومت کی مشینری بھی مذہبی جذبات کی رو میں بہہ جاتی ہے۔ گجرات جیسی مثالیں ہمیں ان خطرات سے

© NCERT
be republished

The Indian EXPRESS

LATE CITY ■ NEW DELHI ■ FRIDAY, MARCH 1, 2002

THE FIRE AND THE FUEL

■ Police look the other way as VHP goes berserk across the state ■ Ex-Cong MP charred along with family, neighbours

■ After 18 hours of mayhem, Army asked to help ■ Wakf Board burned down right under govt nose in Gandhinagar

CM IS COOL

■ Modi says he can understand the anger... ■ ...is happy given events in Godhra

AT GROUND ZERO

■ All roads to Ayodhya sealed, anger boils over ■ Home Ministry asks Rlys Ministry to divert all Faizabad-bound trains, Paramhans says he's talking peace

DOUSING THE FLAMES

■ RSS steps in to mediate with VHP, 'blueprint' of compromise ■ Concern No 1: how to ensure that the fire doesn't spread ■ Hardliners within BJP register protest, put Govt under pressure

An eye for an eye blinds Gandhinagar

ON BLACK THURSDAY, THE EXCEPTION

■ Defence Minister, the Army reach Mr Modi's state
■ 70 dead, cops watched with their eyes wide shut

Sangh lends a hand to save VHP's face: a glimmer of hope

■ VHP may wind down its Ayodhya stir, settle for a 'small' 100-day prayer; Govt will then ask court to speed things up

DELHI, FRIDAY, APRIL 5, 2002

'HOW CAN I FACE THE WORLD?'

Gujarat incidents a blot: PM

By Manas Dasgupta

No let-up in Gujarat carnage

27 فروری 1947 کو بنیادی حقوق، اقلیتوں ، قبائلیوں اور علاحدہ علاقوں پر مشتمل دستورساز اسمبلی کی مشاورتی کمیٹی کے پہلے اجلاس میں ہی سردار پٹیل نے زور دار لہجہ میں کہا تھا" یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ یہ ایک جھوٹا اور بکواس دعویٰ ہے۔ اور یہ کہ ہندوستان میں ہم سے زیادہ کوئی اور اقلیتوں کے تحفظ میں دل چسپی نہیں لے سکتا۔ ہمارا مشن ہے کہ ہم ان میں سے ہر ایک کو مطمئن کرسکیں ۔ ہمیں یہ ثابت کر دینا چاہیے کہ ہم خود پر حکمراں ہوسکتے ہیں اور ہمیں دوسروں پر حکمرانی کی کوئی خواہش نہیں ہے"

"گجرات کے المناک واقعات نے جو گودھرا کے واقعہ سے شروع ہوئے اور تشدد اور دہشت نے دو مہینے تک پوری ریاست کو ہلا کر رکھ دیا،پورے ملک کو شدید رنج والم میں مبتلا کردیا۔کمیشن کی رائے میں اس میں کوئی شک نہیں کہ ریاستی حکومت زندگی ، آزادی ، مساوات اور ریاست کے عوام کا وقار کے نقصان کو قابو میں کرنے میں ناکام رہی۔ یہ لازم ہے کہ زخموں کو بھراجائے اور امن اور مساوات کے مستقبل پر نظر رکھی جائے۔ لیکن ان اعلا مقاصد کے حصول کی بنیاد انصاف ہونی چاہیے اور ساتھ ہی دستوری اقدار اور زمین کے قانون کی بالا دستی بھی برقرارھو

قومی کمیشن برائے حقوق انسانی
2001-2002 کی سالانہ رپورٹ۔

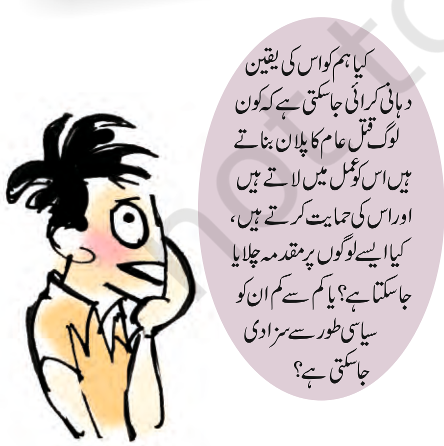

آگاہ کرتی ہیں جو مذہبی جذبات کو سیاسی اغراض کے لیے استعمال کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جمہوری سیاست کے لیے یہ ایک بڑا خطرہ ہے۔

> میرا وزیر اعلا (گجرات کے) کے لیے ایک ھی پیغام ھے کہ وہ 'راج دھرم' کے راستے پر چلیں۔ ایک حکمراں کو اپنی رعایا کے درمیان ذات پات، نسل اور مذھب کی بنیاد پر فرق نھیں کرنا چاھیے
>
> **وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی**
>
> احمد آباد، 4 اپریل 2002

اتفاق رائے کا ظہور

کبھی کبھی 1989 کے بعد کے زمانے کو کانگریس کے زوال اور بی جے پی کے عروج کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اگر اس زمانے کی سیاسی بھاگ دوڑ اور مقابلے کی پیچیدہ نوعیت کو سمجھنا ہو تو کانگریس اور بی جے پی کی انتخابات میں کارگزاریوں کا موازنہ کرنا ہوگا۔

کانگریس اور بی جے پی کی بدلتی ہوئی الیکشن کی کارکردگیاں 1984-2019

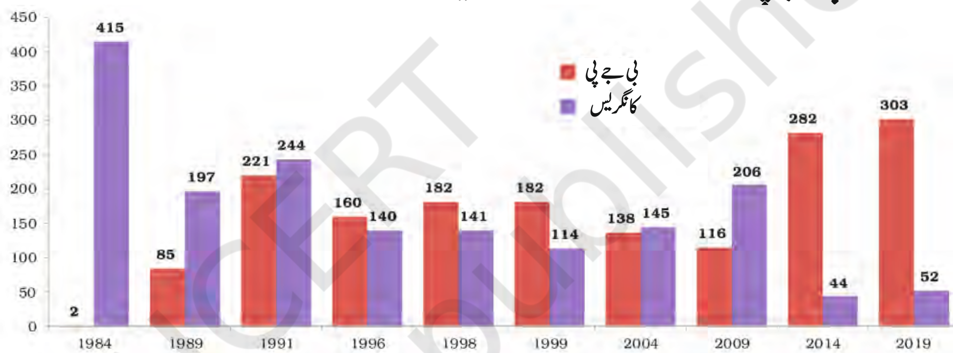

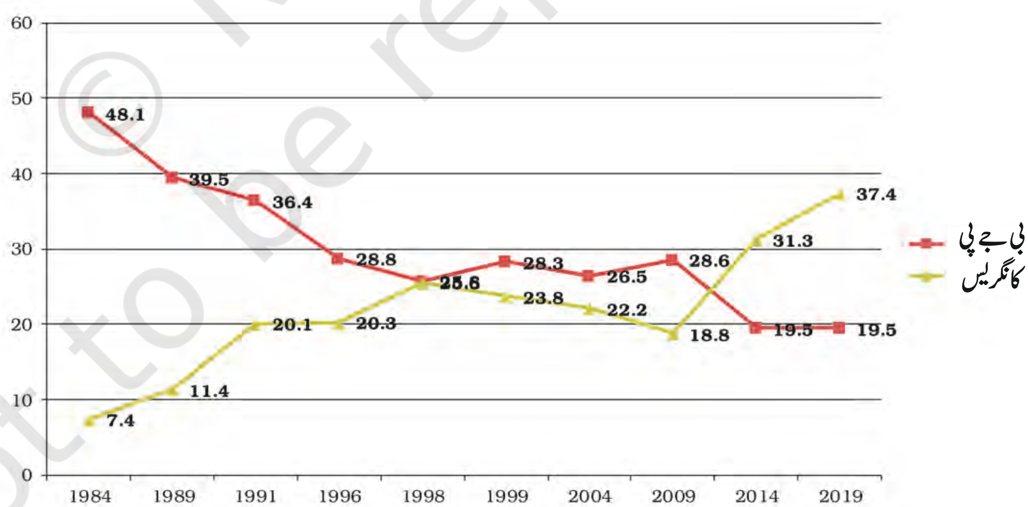

آیئے اس تصویر میں دی گئی معلومات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔

- آپ دیکھیں گے کہ اس زمانے میں بی جے پی اور کانگریس ایک سخت مقابلہ میں الجھے ہوئے تھے۔ ان کی انتخابی کامیابی کے درمیان 1984 کے انتخابات کے مقابلے کیا فرق ہے؟

© NCERT not to be republished

- آپ دیکھیں گے کہ 1989 کے انتخابات کے بعد سے دونوں پارٹیوں یعنی کانگریس اور بی جے پی کو کل ملا کر جو ووٹ ملے وہ پچاس فی صد سے زیادہ نہیں ہیں۔ اوران کو لوک سبھا میں جو سیٹیں ملیں وہ بھی مجموعی طور پر پچاس فی صدی سے زیادہ نہیں ہیں۔ تو پھر باقی ووٹ اور سیٹیں کہاں گئیں؟
- دونوں چارٹ پر نظر ڈالیے جو کانگریس اور جنتا 'خاندان' کی پارٹیوں کو دکھاتے ہیں۔ آج جو پارٹیاں موجود ہیں ان میں کون سی پارٹیاں نہ تو کانگریس خاندان اور نہ ہی جنتا خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟
- نوّے کی دہائی کے دوران سیاسی مسابقت بی جے پی کی زیر قیادت گٹھ جوڑ اور کانگریس کی زیر قیادت گٹھ جوڑ کے درمیان منقسم ہے۔ کیا آپ ان پارٹیوں کی فہرست تیار کر سکتے ہیں جو ان دونوں میں سے کسی بھی گٹھ جوڑ کا حصہ نہیں ہیں؟

2004 کے لوک سبھا انتخابات

2004 کے انتخابات میں کانگریس بھی بڑے پیمانے پر گٹھ جوڑ میں داخل ہوئی۔ قومی جمہوری اتحاد یعنی این ڈی اے کو شکست ہوئی اور کانگریس کی زیر قیادت ایک گٹھ جوڑ یعنی یو۔ پی۔ اے یا متحدہ ترقی پسند اتحاد کی حکومت برسر اقتدار آئی۔ اس حکومت کو بائیں محاذ کی پارٹیوں کی حمایت حاصل تھی۔ 2004 کے انتخابات میں کانگریس پارٹی کا جزوی احیا بھی دیکھنے کو ملا، یعنی کانگریس میں دوبارہ کچھ جان پڑتی نظر آئی۔ 1991 کے بعد پہلی بار اس پارٹی کی نشستوں میں اضافہ ہوا۔ تاہم 2004 کے انتخابات میں کانگریس اور اس کے اتحادیوں اور بی۔ جے۔ پی اور اس کے اتحادیوں نے جو ووٹ حاصل کیے ان میں برائے نام ہی فرق تھا۔ اس طرح اب پارٹی نظام 1970 کی دہائی کے مقابلے قریب قریب ڈرامائی انداز میں تبدیل ہو چکا ہے۔

1990 کے بعد ہمارے آس پاس جو سیاسی عمل سامنے آرہے ہیں ان میں موٹے طور پر پارٹیوں کے چار گروپ ابھرتے نظر آتے ہیں: یعنی وہ پارٹیاں جو کانگریس کے ساتھ گٹھ جوڑ میں شامل ہیں؛ وہ پارٹیاں جن کا بی جے پی کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے؛ بائیں محاذ کی پارٹیاں؛ اور دیگر پارٹیاں جو ان تینوں میں سے کسی میں شامل نہیں ہیں۔ یہ صورت اشارہ کرتی ہے کہ اب سیاسی مسابقت یا مقابلہ آرائی کثیر الاطراف ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صورت حال میں سیاسی نظریات کا اختلاف شامل ہو گیا ہے۔

بڑھتا ہوا اتفاق رائے

تاہم بہت سے اہم اور نازک مسائل پر اکثر پارٹیوں کے درمیان ایک وسیع سمجھوتہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔ شدید مسابقت اور بہت سے تنازعات اور کشاکش کے باوجود زیادہ تر پارٹیوں کے درمیان ایک اتفاق رائے قائم ہوتا نظر آیا ہے۔ یہ اتفاق رائے چار اجزا پر مشتمل ہیں۔

پہلا، نئی معاشی اور اقتصادی پالیسیوں کے بارے میں ہم آہنگی اور اتفاق۔ جب کہ بہت سے گروپ

لوک سبھا انتخابات کے نتائج
2004

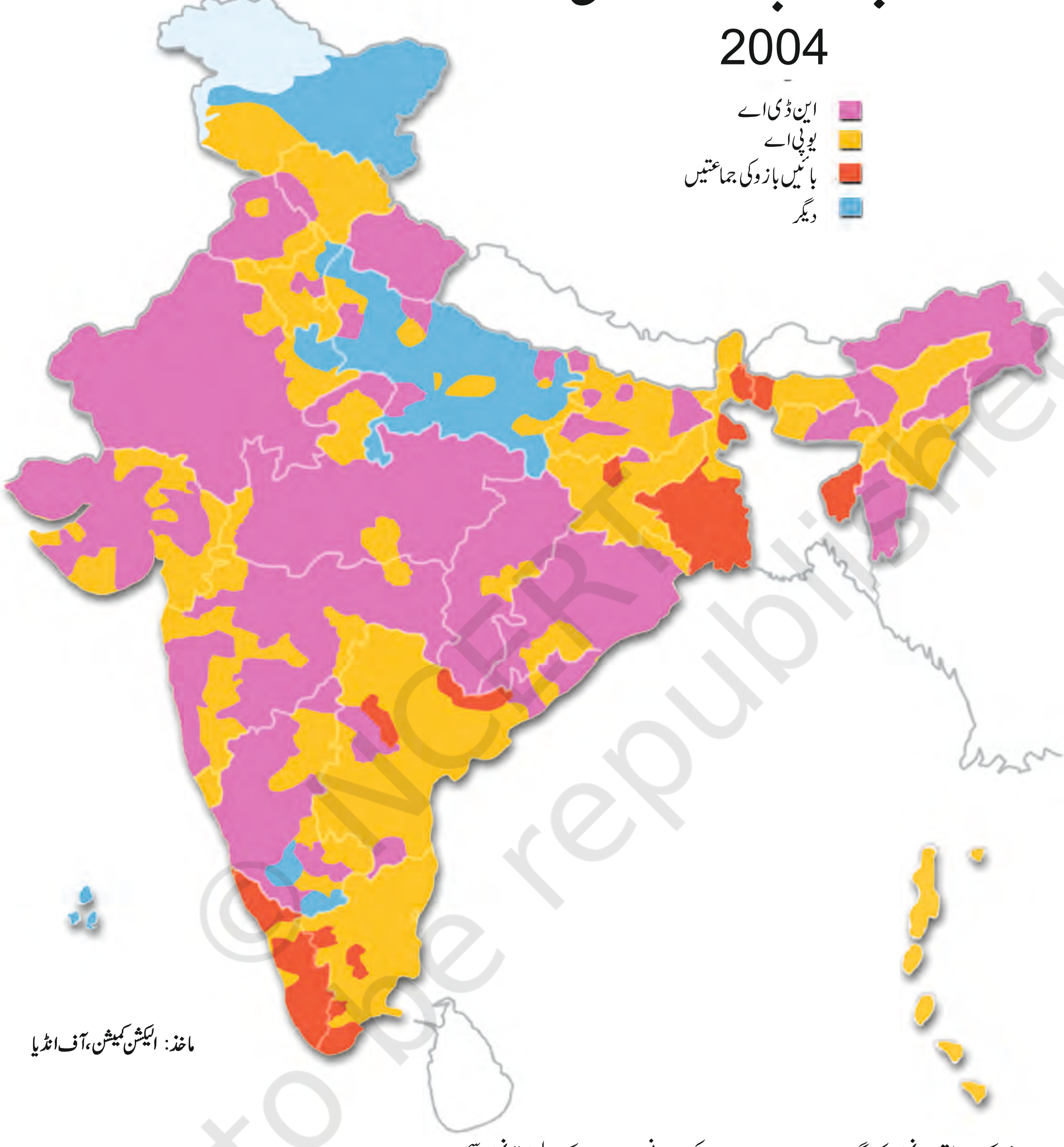

ماخذ: الیکشن کمیشن، آف انڈیا

نوٹ: یہ نقشہ پیمانے کے مطابق تیار نہیں کیا گیا ہے اور اسے ہندوستان کی بیرونی سرحدوں کے لیے مستند نہیں سمجھنا چاہیے۔

نئی معاشی پالیسیوں کے مخالف ہیں، اکثر پارٹیاں ان کی حامی ہیں۔ زیادہ تر پارٹیوں کا خیال ہے کہ یہ نئی پالیسیاں ملک میں خوش حالی لائیں گی اور دنیا میں اسے ایک معاشی قوت کا درجہ دلانے میں مدد کریں گی۔

دوسرا، پس ماندہ ذاتوں کے سیاسی اور سماجی دعوے کو تسلیم کرنا۔ سیاسی جماعتوں نے سمجھ لیا ہے کہ پس ماندہ ذاتوں کے سماجی اور سیاسی مطالبات کو ماننے کی ضرورت ہے۔ نتیجے کے طور پر اب تمام سیاسی جماعتیں پس ماندہ طبقوں کے لیے تعلیم اور ملازمتوں میں نشستیں محفوظ کرنے کی حمایت کرتی ہیں۔ سیاسی پارٹیاں اب اس بات کو بھی یقینی بنانے پر رضامند ہیں کہ دیگر پس ماندہ طبقات (OBCs) کو اقتدار میں مناسب حصہ ملے۔

تیسری بات جس پر عام اتفاق رائے ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی حکومت چلانے کے کام میں ریاستی سطح کی پارٹیوں کے کردار کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔ ریاستی سطح اور قومی سطح کی پارٹیوں کے درمیان امتیاز کی اہمیت تیزی کے ساتھ کم ہو رہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس باب میں دیکھا کہ ریاستی سطح کی پارٹیاں قومی سطح پر اقتدار میں شرکت کر رہی ہیں اور تقریباً گذشتہ بیس 20 برسوں سے ملکی سیاست میں وہ ایک مرکزی کردار ادا کر رہی ہیں۔

چوتھا عنصر نظریاتی موقفوں کے بجائے عملی باتوں اور کاموں پر زور اور نظریاتی ہم آہنگی کے بغیر سیاسی اتحاد ہے۔ گٹھ جوڑ کی سیاست نے سیاسی جماعتوں کی توجہ نظریاتی اختلافات سے ہٹا کر اقتدار میں شرکت کی جانب مرکوز کر دی ہے۔ اگرچہ این ڈی اے کی زیادہ تر پارٹیاں بی جے پی کی 'ہندوتو' کے نظریے سے متفق نہیں تھیں لیکن پھر بھی حکومت بنانے کے لیے وہ یک جا ہو گئیں اور پوری مدت تک اقتدار میں رہیں۔

یہ سب تاریخی حیثیت کی تبدیلیاں ہیں اور مستقبل قریب میں سیاست کے رنگ و روپ کو سنوارنے کا کام کریں گی۔ ہم نے ہندوستان کی سیاست کا یہ مطالعہ اس گفتگو سے شروع کیا تھا کہ کانگریس کس طرح ایک غالب اور حاوی پارٹی کے طور پر ابھری۔ اب ہم اس صورت حال سے نکل کر زیادہ مسابقتی سیاست تک آ پہنچے ہیں، لیکن اس سیاست تک جو بڑے سیاسی اداکارں کے ایک مضمر سمجھوتہ پر مبنی ہے۔ تاہم سیاسی پارٹیوں کے اس عام اتفاق رائے کے دائرے میں رہ کر کام کرنے کے باوجود عوامی تحریکیں اور تنظیمیں بہ یک وقت ترقی کی نئی شکلیں، نئے تصور اور نئی راہیں تلاش کرنے میں لگی ہیں۔ عوامی تحریکوں کے ایجنڈے میں غربت، بے وطنی، کم از کم اجرتیں، گذر بسر، اور سماجی تحفظ

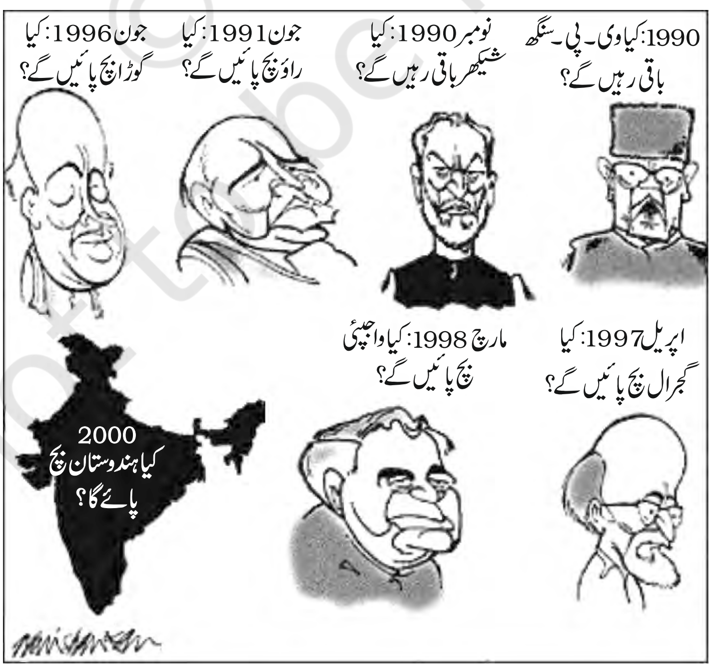

بشکریہ: روی شنکر / انڈیا ٹوڈے

17 ویں لوک سبھا میں مختلف سیاسی جماعتوں کی پوزیشن

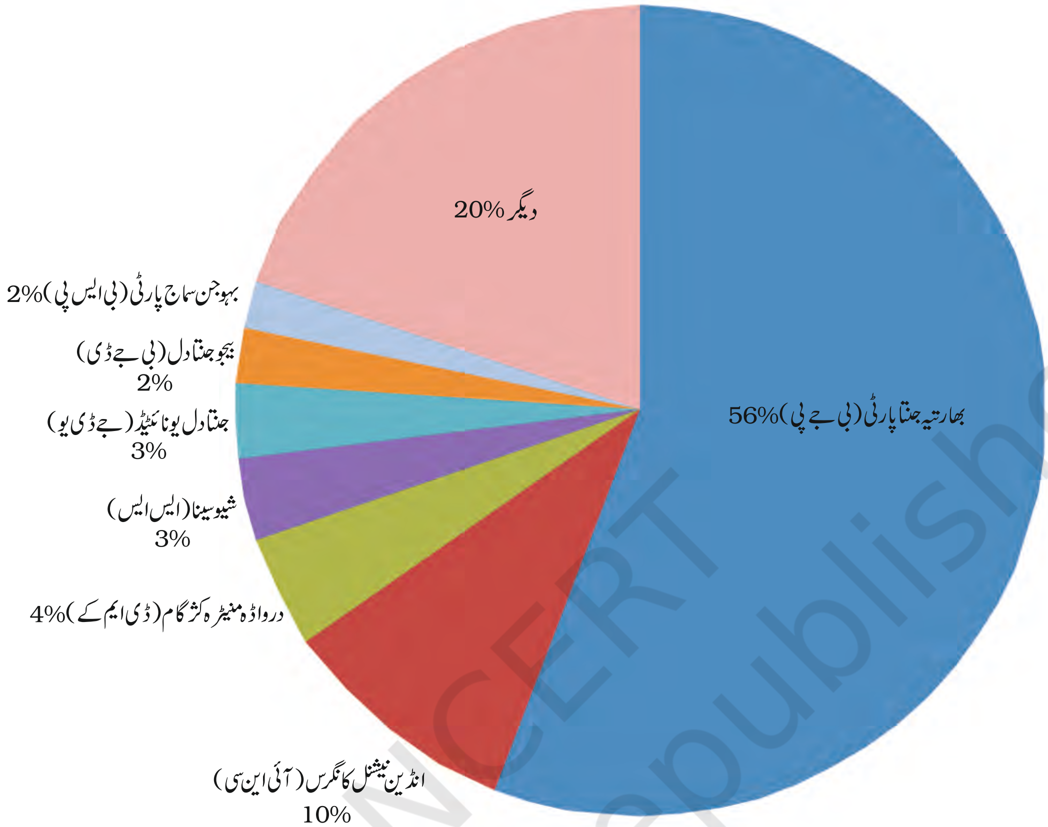

بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی)	303
انڈین نیشنل کانگریس (آئی این سی)	52
دروادہ منیترہ کژگام (ڈی ایم کے)	24
شیوسینا (ایس ایس)	18
جنتا دل یونائیٹڈ (جے ڈی یو)	16
بیجو جنتا دل (بی جے ڈی)	12
بہوجن سماج پارٹی (بی ایس پی)	10
دیگر پارٹی	108

ماخذ: http://loksabha.nic.in

© NCERT not to be republished

جیسے مسائل شامل کیے جارہے ہیں تاکہ حکومت کو اس کی ذمہ داری یاد دلائی جاسکے۔ اسی طرح طبقہ، ذات، جنس اور علاقوں کے تعلق سے انصاف اور جمہوریت کی آوازیں بلند کی جارہی ہیں۔ ہم جمہوریت کے مستقبل کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کرسکتے۔ لیکن ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ہندوستان میں جمہوریت قائم رہے گی اور یہ کہ یہ ایک لگاتار ہم خیزی کے ذریعے کھلتی رہے گی اور آشکارا ہوتی رہے گی اور یہ عمل ان عوامل کی بنیاد پر جاری رہے گا جن کا ذکر اس باب میں آچکا ہے۔

مشقیں

1۔ اخبار کے بے ترتیب تراشوں کو اُنی مُنی کی فائل میں سے نکال کر انھیں تاریخوں کے اعتبار سے ترتیب دیجیے۔

(a) منڈل سفارشات اور ریزرویشن مخالف تحریک

(b) جنتا دل کی تشکیل

(c) بابری مسجد کا انہدام

(d) اندرا گاندھی کا قتل

(e) این ڈی اے حکومت کی تشکیل

(f) گودھرا کا واقعہ اور اس کے اثرات

(g) یو پی اے حکومت کی تشکیل

2۔ درج ذیل کے صحیح جوڑے بنائیے۔

(a) عام اتفاق رائے کی سیاست	i. شاہ بانو معاملہ
(b) ذات پر مبنی پارٹیاں	ii. دیگر پس ماندہ طبقوں کا عروج
(c) نجی قانون اور جنسی انصاف	iii. مخلوط یا گٹھ جوڑ کی حکومت
(d) علاقائی پارٹیوں کی بڑھتی قوت	iv. معاشی پالیسیوں پر اتفاق رائے

3۔ 1989 کے بعد کے عرصہ میں ہندوستانی سیاست کے خاص مسائل بیان کیجیے۔ ان اختلافات کی وجہ سے سیاسی جماعتوں کی کون کون سی نئی شکلیں وجود میں آئیں؟

4۔ ''گٹھ جوڑ کے اس نئے دور میں سیاسی پارٹیاں کسی نظریاتی بنیاد یا اصول پر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد میں شامل نہیں ہوتیں یا ایک اتحاد کو توڑ کر دوسرے میں شامل ہوتی ہیں۔'' آپ اس بیان کی حمایت یا مخالفت میں کیا دلائل پیش کریں گے؟

© NCERT not to be republished

5۔ ایمرجنسی کے بعد کی سیاست میں بی جے پی کا ایک اہم قوت بن کر ابھرنے کا ایک خاکہ پیش کیجیے۔

6۔ کانگریس اپنے غلبہ کے زوال کے باوجود ملک کی سیاست کو متواتر متاثر کر رہی ہے۔ کیا آپ اس خیال سے متفق ہیں؟ وجوہات بیان کیجیے۔

7۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ کامیاب جمہوریت کے لیے دو پارٹی نظام ضروری ہے۔ گزشتہ بیس سالوں میں ہندستان کی سیاست کے تجزیے کی روشنی میں ایک مضمون تحریر کیجیے جس میں ہندوستان کے موجودہ پارٹی نظام کے فوائد بیان کیے جائیں۔

8۔ عبارت کو پڑھ کر آخر میں دیئے ہوئے سوالوں کے جواب دیجیے:

ہندوستان میں پارٹی سیاست کو کئی چیلنج درپیش رہے ہیں۔ نہ صرف کانگریس نظام نے خود کو تباہ کیا بلکہ کانگریس گٹھ جوڑ کے ٹکڑے ہو کر بکھر جانے کی وجہ سے خود نمائندگی کی نئی اہمیت اور اس پر زور دینے کی ابتدا ہوئی ہے جس نے پارٹی سسٹم اور متنوع و مختلف مفادات کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت کے بارے میں سوالات اٹھائے ہیں۔ سیاست کے سامنے ایک اہم آزمائش ایک پارٹی نظام یا ایسی سیاسی جماعتیں تیار کرنے کا کام ہے جو موثر طور پر مختلف قسموں کے مفادات کو صاف طور پر بیان اور یک جا کر سکیں'۔ —'زویا حسن

(a) اس باب میں آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اس کی روشنی میں مصنفہ کے پارٹی سسٹم کے چیلنجوں سے متعلق تصورات پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

(b) فراخ دلی اور یکجائیت کے فقدان کی ایک مثال اس باب سے تلاش کیجیے، جس کا حوالہ اس اقتباس میں دیا گیا ہے۔

(c) متفرق مفادات کی جانب فراخ دلی اور یکجائیت پارٹیوں کے لیے کیوں ضروری ہے؟

آیئے اسے مل جل کر کریں

- اس باب میں 2004 کے انتخابات (14 ویں لوک سبھا) تک ہندوستان کی سیاست کے اہم واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد 2009 میں لوک سبھا کے انتخابات کرائے گئے جس کے دوران کانگریس کی قیادت میں یو پی اے کو کامیابی حاصل ہوئی۔ 2014 اور 2019 کے انتخابات میں بھاجپا کی قیادت میں این ڈی اے کو کامیابی ملی۔ 17 ویں لوک سبھا میں مختلف پارٹیوں کی پوزیشن صفحہ 201 پر ظاہر کی گئی ہے۔
- 17 ویں لوک سبھا کے اراکین کا ایک تفصیلی مطالعہ لوک سبھا کی ویب سائٹ (http://loksabha.nic.in) پر موجود ہے۔
- الیکشن کمیشن آف انڈیا کی ویب سائٹ (http://eci.nic.in) سے نتائج سے متعلق اعداد و شمار جمع کیجیے اور 2009 کے انتخابات (15 ویں لوک سبھا) اور 2019 کے انتخابات (17 ویں لوک سبھا) میں مختلف سیاسی پارٹیوں کی انتخابی کارکردگی کا موازنہ کیجیے۔
- 2004 کے بعد سے ہندوستان میں اہم سیاسی واقعات کا ایک خاکہ تیار کیجیے اور اپنی جماعت میں اس پر گفتگو کیجیے۔

© NCERT not to be republished

مرکزی کمیشن

CENTRAL VIGILANCE COMMISSION

(ایمانداری کا حلف)

INTEGRITY PLEDGE

میرا یقین ہے کہ ہمارے ملک کی معاشی، سیاسی اور سماجی ترقی میں بدعنوانی ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ میرا یقین ہے کہ بدعنوانی ختم کرنے کے لیے سبھی فریقوں جیسے سرکار، شہریوں اور نجی شعبے کو ایک ساتھ ملکر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے ہمیشہ ایمانداری اور راست کے اعلی معاہدوں کے تئیں پابند رہنا چاہیئے، نیز میرا خیال ہے کہ ہر شہری کو مستعد رہنا چاہیے اور بدعنوانی کے خلاف جدوجہد میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے۔

اس لیے میں عہد کرتا ہوں کہ:

- زندگی کے سبھی شعبوں میں ایمانداری اور قانون کے اصولوں کی پابندی کروں گا۔
- نہ رشوت لوں گا اور نہ ہی رشوت دوں گا۔
- سبھی کام ایمانداری ثقافیت کے ساتھ کروں گا۔
- عوامی مفاد کے لیے کام کروں گا۔
- اپنے ذاتی کردار میں ایمانداری کی مثال پیش کروں گا۔
- بدعنوانی کے کسی بھی معاملے کی رپورٹ متعلقہ ایجنسی کو دوں گا۔

مرکزی ویجلنس کمیشن (سی وی وی) کے بارے میں معلومات کے لیے لوگ ان کیجیے۔

www.cvc.nic.in

© NCERT not to be republished